اکائی ۴ : اصنافِ ادب

ترتیب :

۴-۰ مقاصد

۴-۱ دیباچہ

۴-۲ شاعری کی اصناف

۴-۲-۱ غزل

مشق I

اپنا امتحان خود لیجیے I

۴-۲-۲ نظم

۴-۲-۳ قصیدہ

۴-۲-۴ مرثیہ

۴-۲-۵ مثنوی

۴-۲-۶ دیگر اصناف : رباعی، قطعہ

مشق II

اپنا امتحان خود لیجیے II

۴-۳ نثر کی اصناف

۴-۳-۱ ناول، داستان اور

۴-۳-۲ مختصر افسانہ اور ڈراما

۴-۳-۳ انشائیہ

۴-۳-۴ دیگر اصناف

مشق III

اپنا امتحان خود لیجیے III

۴-۴ خلاصۂ بحث

مزید مطالعے کے لیے

جوابات

۴-۰ مقاصد

اس اکائی کا مقصد : (i) نثر اور نظم کی مختلف اصناف کی پہچان کرانا اور (ii) ان میں زبان کے استعمال کی نوعیت کو واضح کرنا ہے۔
تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ آپ کس صنف کو پڑھ یا سُن رہے ہیں اور اس کی کیا خصوصیات ہیں۔ ان سے لطف لیں اور انہیں برتیں۔

۴-۱ دیباچہ

زبان بول چال میں بھی برتی جاتی ہے اور لکھنے پڑھنے میں بھی کام آتی ہے۔ ان میں ایک انداز تو روزمرّہ کام چلانے والا ہوتا ہے، دوسرا ادبی انداز ہوتا ہے۔ ادب کو زبان کا سب سے اچھا اور سب سے خوب صورت انداز مانا جاتا ہے کیوں کہ ادب میں بات اس طرح کہی جاتی ہے کہ دل میں بیٹھ جائے اور پوری طرح سمجھ میں آجائے۔
ادب یا تو نثر میں ہوگا یا نظم میں اور ان دونوں کی بہت سی قسمیں ہیں جنہیں اصناف کہتے ہیں۔ اس اکائی میں نثر اور نظم کی انہیں اصناف کی پہچان کرنی ہے۔

۴-۲ شاعری کی اصناف

شاعری کو انسانیت کی مادری زبان کہا گیا ہے۔ شروع شروع میں تو ہر قسم کی باتیں شاعری ہی میں ادا کی جاتی تھیں۔ شاعری وزن میں کی جاتی تھی یعنی اس کے ٹکڑے ایک سے ہوتے تھے۔ اور ان میں ایک خاص قسم کی جھنکار قایم رہتی تھی اس لیے اسے یاد رکھنا آسان ہوتا تھا بعد کو شاعری میں صرف ایسی باتیں بیان کی جانے لگیں جن کا تعلق انسانی جذبات سے ہوتا ہے۔
اس نظر سے دیکھیے تو شاعری کی جو قسمیں سامنے آئیں گی وہ دو طرح کی ہوں گی :
ایک وہ جو ان باتوں کے لحاظ سے کی گئی ہیں جو کسی قسم کی شاعری میں بیان ہوتی ہیں۔
دوسرے وہ جو کسی قسم کی ساخت یعنی اس کے ٹکڑوں کے برابر ہونے یا ایک وزن میں زیادہ ہونے یا کم یا زیادہ ہونے کی بنا پر کی گئی ہے۔

۴-۲-۱ غزل

اردو شاعری میں سب سے مشہور صنف غزل ہے۔

غزل یوں تو عربی کا لفظ ہے جس کے تین معنی بیان کیے جاتے ہیں:

(i) عورتوں سے یا عورتوں کے بارے میں باتیں کرنا

(ii) ہرن کی وہ آواز جو اس کے زخمی ہونے پر نکلتی ہے۔

(iii) بُننا یا کسی لباس کو تیار کرنا۔

غزل پہلے پہل عربی قصیدوں کے شروع کے حصّے کو کہتے تھے، جس میں یا تو جوانی کی باتیں بیان کی جاتی تھیں یا اخلاق اور نصیحت کی۔ عربی سے فارسی میں آئی تو یہ قصیدے سے الگ ہو گئی۔ اور خود ایک صنف بن گئی۔ صوفی شاعروں نے اسے رواج دیا اور اس میں صوفیانہ مضامین نظم ہونے لگے۔

اچھا، اب اگر غزل ایک صنف ہے تو اس کی پہچان ہمارے پہلے بیان کے مطابق کیا کیا ہو گی؟ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں (۲-۴) کہ پہچان دو طرح کی ہوتی ہے — ایک نفسِ مضمون کے اعتبار سے یعنی کسی صنف میں بیان ہونے والی باتوں کے لحاظ سے، دوسری ساخت کے لحاظ سے۔

اب اگر غزل کی پہچان نفسِ مضمون کے لحاظ سے کی جائے تو یہ بھی کہا نہیں جا سکتا کہ جب بھی عورتوں سے یا عورتوں کے بارے میں بات کی جائے تو وہ غزل ہو جائے گی۔ ایسا ہوتا تو آپ اپنے دوستوں سے فلم ایکٹرسوں کے بارے میں باتیں کرنے کو بھی غزل کہتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ عشقیہ شاعری یا عورتوں کے بارے میں شاعری تو غزل کے علاوہ دوسری اصناف میں بھی کی جا سکتی ہے اور کی جاتی رہی ہے۔

پھر غزل کی نفسِ مضمون کے اعتبار سے کیا پہچان ہوئی۔ غزل واقعات کا بیان نہیں ہے۔ واقعات سے حاصل ہونے والے احساس یا تجربے کا داخلی بیان ہے — غزل دل پر گزری ہوئی کیفیت کا نچوڑ بیان کرتی ہے۔ یہ کیفیات تو ہر قسم کی ہوتی ہیں، لیکن داخلی ہونے کی وجہ سے ان کا رنگ غزل میں ذاتی ہو جاتا ہے۔ یہ ذاتی لہجہ غزل کی ایک پہچان ہے۔ اس میں زیادہ تر عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور سیاسی مضامین بیان ہوتے ہیں۔

آیئے اب ساخت کے لحاظ سے غزل کو پہچانیں۔ سب سے پہلے یہ بات

سامنے آئے گی کہ غزل اکثر باتوں کو خاص علامتوں اور اشاروں میں بیان کرتی ہے اور ان علامتوں اور اشاروں سے غزل کی خاص زبان یا لفظیات بن گئی ہے۔ مثلاً گل، بلبل، شمع، پروانہ، زنداں، زنجیر وغیرہ ان علامتوں کے معنی بدلتے رہتے ہیں اور یہ مختلف قسم کی صورتِ حال میں استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ غزل کی یہی خصوصیت ہے، جسے تعمیم کہا جاتا ہے۔

دوسری بات اس کی ساخت کی یہ ہے کہ اس کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔ یعنی پوری بات کو بیان کر دیتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوری غزل میں ایک ہی کیفیت یا ایک ہی بات بیان کی گئی ہو جس صورت میں اسے غزل مسلسل کہا جائے گا مگر اس میں بھی ہر شعر اپنی جگہ مکمل ضرور ہوگا اور دوسرے شعر کا محتاج نہیں ہوگا۔ نظم میں ایسا نہیں ہوتا۔

غزل کی ساخت کی تیسری اہم پہچان ہے ردیف اور قافیہ۔ ہر شعر کے آخر میں جوں کا توں آنے والا لفظ یا حرف کو ردیف کہا جاتا ہے اور اس سے فوراً آنے والا ایسا لفظ جو جوں کا توں تو ہر شعر میں نہ آئے مگر اس کی جیسی آواز یا جھنکار رکھنے والے لفظ ہر شعر کے آخر والے حصے میں آئیں، قافیہ کہا جاتا ہے جیسے :

کوئی اُمید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

اس شعر میں "نہیں آتی" کے لفظ پوری غزل کے ہر شعر کے آخر میں آئے ہیں لہٰذا انہیں ردیف کہا جائے گا اور یہ ہر شعر میں جوں کے توں آئیں گے۔

ان لفظوں سے پہلے 'بر' اور 'نظر' کے لفظ آئے ہیں یہ جوں کے توں نہیں ہیں۔ لیکن ان کی آوازیں ایک سی ہیں اور جھنکار ایک ہے اس لیے انہیں قافیہ کہا جائے گا تو اس غزل کی ردیف ہوئی نہیں آتی، اور قافیہ ہوا 'بر' اور 'نظر'

ہر شعر کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور ہر ٹکڑے کو مصرع کہتے ہیں۔ جب ان دونوں مصرعوں کی ساخت کے ساتھ ردیف اور قافیہ کا ذکر کریں تو ان تینوں کو 'طرح' کے لفظ سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔

غزل کی ایک اور پہچان یہ بھی ہے کہ اس کے پہلے شعر کو جس کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ ہو مطلع کہا جاتا ہے اور آخری شعر میں اگر شاعر

اپنا تخلص لائے تو اسے مقطع کہتے ہیں :

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہ غزل کا آخری شعر بھی ہے اور اس میں شاعر نے اپنا شاعرانہ نام بھی نظم کیا ہے، اس لیے اسے مقطع کہا جائے گا۔

ایسے دو لفظ جو ایک سی آوازیں رکھتے ہیں ہم قافیہ کہے جاتے ہیں۔ آپ نے وہ لطیفہ سُنا ہوگا کہ اُردو کے مشہور ادیب مجنوں گورکھپوری بہت دُبلے اور دھان پان تھے اتفاق سے اُردو کے مشہور طنز و مزاح نگار کنہیالال کپور بھی اسی طرح دُبلے تھے۔ احمد شاہ بخاری پطرس کپور صاحب کے اُستاد تھے وہ انہیں مذاق سے مجنوں گورکھپوری کا ہم قافیہ کہا کرتے تھے۔ یعنی ایک جیسے دھان پان۔

مشق I

۱۔ غزل کے کیا معنی ہیں ؟
۲۔ غزل میں عام طور پر کس قسم کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں ؟
۳۔ داخلی لہجے سے کیا مراد ہے ؟
۴۔ غزل کی ساخت کی بنیادی پہچان بیان کیجیے
۵۔ غزل کی دس بنیادی لفظیات اور علامتیں بیان کیجیے۔
۶۔ ردیف اور قافیہ کسے کہتے ہیں ؟

اپنا امتحان خود لیجیے I

۱۔ نیچے دیے ہوئے شعر میں ردیف کیا ہے اور قافیے کون سے ہیں ؟

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ردیف _____

قافیے _____ اور _____

۲۔ نیچے دیے ہوئے شعروں میں ایک مطلع ہے اور ایک مقطع۔ بتائیے کہ مطلع کون سا ہے اور مقطع کون سا ہے ؟

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے — وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسدؔ — آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

۳۔ غزل ـــــ سے پیدا ہونے والے ـــــ اور ـــــ کا مخصوص ـــــ کے ذریعے ـــــ بیان ہے :

اوپر دیے ہوئے جملے کو مندرجہ ذیل لفظوں سے پورا کیجیے :

واقعات ، تجربات ، کیفیات

علامتوں داخلی

۴-۲-۲ نظم:

نظم یوں تو کسی چیز کی ترتیب کا نام ہے۔ مختلف ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے ملانا اور کسی ایک لڑی میں پرونا یا ہار میں گوندھنا نظم کہلاتا ہے بعد کو یہ لفظ شاعری ہی کے لیے استعمال ہونے لگا، لیکن اب اس کے معنی پھر بدلے ہیں۔ نظم سے مراد شاعری کی وہ قسم یا صنف ہے جس میں ہر شعر اپنی جگہ مکمل نہیں ہوتا بلکہ سب شعر مل کر کسی ایک واقعے، کیفیت یا تجربے کو بیان کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں۔

نظم مختصر بھی ہو سکتی ہے اور طویل بھی۔ نظم ردیف قافیے کے ساتھ بھی لکھی جا سکتی ہے (پابند) اور اس کے بغیر بھی (آزاد نظم) پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے مصرعے ایک ہی لمبائی کے ہوں مگر ان میں قافیہ ردیف نہ ہو (نظم معریٰ) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے ٹکڑے چھوٹے بڑے ہوں (آزاد نظم) لیکن ہر صورت میں ضروری ہوگا کہ نظم کا ہر مصرعہ ایک دوسرے سے مل کر بات کو پورا کرتا ہو۔ کوئی شعر اور کوئی مصرعہ بھی اپنے طور پر الگ تھلگ نہ ہو۔

اس اعتبار سے نظم غزل سے مختلف ہے اور اس کے مزاج کو دو لفظوں میں پہچانا جا سکتا ہے تسلسل اور ارتقا۔

تسلسل سے مراد یہ ہے کہ پوری نظم میں ایک ہی بات کہی گئی ہو یا ایک ہی کیفیت بیان کی گئی ہو۔ غزل کی طرح ہر شعر میں الگ الگ باتیں نہ کہی گئی ہوں۔

ارتقا سے یہ مراد ہے کہ ہر مصرعہ اور ہر شعر اس مرکزی خیال یا بنیادی کیفیت کے بیان کو آگے بڑھاتا ہو اور پوری تصویر کا کوئی نہ کوئی اہم ٹکڑا فراہم کرتا ہو۔ مثال کے طور پر غزل کے دو شعروں کا مقابلہ بعد میں دی گئی دو نظموں سے کیجیے۔ آپ کو

اندازہ ہوگا کہ غزل کے دونوں شعر الگ الگ مضمون کے ہیں۔ اور اپنی جگہ مکمل ہیں، لیکن نظموں کا ہر مصرعہ ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے اور ایک لڑی میں پرویا ہوا ہے۔
داغ کی غزل کے دو شعر یہ ہیں :

طبیعت کوئی دم میں بھر جائے گی　　چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی
رہیں گی دمِ مرگ تک خواہشیں　　طبیعت کوئی آج بھر جائے گی

دونوں شعروں میں دو مختلف اور ایک دوسرے سے بالکل اُلٹی بات بیان کی گئی ہے اور دونوں شعر اپنی جگہ مکمل ہیں۔ ایک دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔
اب مجاز کی ایک نظم پڑھیے۔ عنوان ہے "بربطِ شکستہ" یعنی ٹوٹا ہوا ساز۔

اُس نے جب کہا مجھ سے "گیت ایک سنا دو نا
سرد ہے فضا دل کی آگ تم لگا دو نا"
کیا حسین تیور تھے کیا لطیف لہجہ تھا
آرزو تھی، حسرت تھی، حکم تھا، تقاضا تھا
گنگنا کے مستی میں ساز لے لیا میں نے
چھیڑ ہی دیا آخر نغمۂ وفا میں نے
درد کی صدا نکلی ہر نوائے خستہ سے
آہ کی دھواں نکلا بربطِ شکستہ سے

اس نظم میں ہر مصرعہ دوسرے مصرعہ کا محتاج ہے اور سب مل جل کر کیفیت اور تاثر کو پورا کرتے ہیں۔ اس میں تسلسل بھی ہے یعنی ایک ہی کیفیت کا بیان) اور ارتقا بھی (یعنی ہر مصرعہ بات کو آگے بڑھاتا ہے)۔
اب اختر الایمان کی ایک معریٰ نظم بھی پڑھیے — (عنوان ہے: "تبدیلی")

اس بھرے شہر میں کوئی ایسا نہیں
جو مجھے راہ چلتے کو پہچان لے
اور آواز دے "او بے او سر پھرے"
دونوں اِک دوسرے سے لپٹ کر وہیں
گرد و پیش اور ماحول کو بھول کر
گالیاں دیں، ہنسیں، ہاتھا پائی کریں
پاس کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھ کر

گھنٹوں اِک دوسرے کی سنیں اور کہیں
اور اس نیک روحوں کے بازار میں
میری یہ قیمتی بے بہا زندگی
ایک دن کے لیے اپنا رُخ موڑ لے!

آپ نے دیکھا اس نظم میں ہر مصرعہ ایک دوسرے کا محتاج ہے کہ بات اگلے مصرعے کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ نظم کی یہ خصوصیت ہے اور اسی کو ارتقا کہتے ہیں۔

نظم میں داخلی لہجہ بھی ہو سکتا ہے اور بیانیہ بھی۔ اس میں علامتوں کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کے بغیر بھی نظم لکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح نظم کے لیے غزل کے سے موضوعات ـــ عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور سیاسی کی بھی پابندی ضروری نہیں ہے۔

نظم کا باقاعدہ رواج تو اردو میں ۱۸۷۴ء کے انجمنِ پنجاب لاہور کے مشاعرے سے ہوا۔ جس میں مصرعہ طرح کی جگہ موضوع دیا گیا تھا اور سب اسی موضوع پر نظمیں لکھ کر لائے تھے۔ نظم کی اصطلاح بھی اسی مشاعرے سے رائج ہوئی، لیکن اس سے پہلے بھی ایک موضوع والی شاعری اردو میں موجود تھی۔ اس کی مختلف شکلیں تھیں اور یہ شکلیں زیادہ تر یا تو نفسِ مضمون کے اعتبار سے طے کی گئی تھیں (مثلاً قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی) یا پھر ساخت کے اعتبار سے (مثلاً مسدّس، رباعی، قطعہ وغیرہ) ان میں سے بعض کا حال آگے آئے گا۔

۴-۲-۳ قصیدہ:

قصیدہ اسی قسم کی ایک صنف ہے جس میں شروع سے آخر تک ایک ہی بات کہی جاتی ہے۔ دراصل قصیدہ، قصد سے نکلا ہے اور قصد کے معنی ہیں ارادہ۔ یہ لفظ عربی کا ہے۔ عرب میں شاعری دو قسم کی مانی جاتی ہے۔ ایک الہامی یعنی ایسی جس میں شاعر کے قصد اور ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ دوسری وہ جو قصد اور ارادے سے کی جائے۔

قصیدہ اسی دوسری قسم کی شاعری ہے جس کا ایک واضح مقصد کسی کی تعریف کرنا ہوتا ہے۔ پورے قصیدے کی ردیف ایک ہی ہوتی ہے وزن اور بحر بھی ایک ہوتے ہیں۔ قافیے بدلتے تو رہتے ہیں، مگر سب ہم آواز ہوتے ہیں۔

شاعر اس انداز سے قصیدہ شروع کرتا ہے کہ پڑھنے اور سُننے والے کو اندازہ نہ ہو کہ یہ قصیدہ کس کی شان میں کہا گیا ہے۔ یعنی موسم کا ذکر یا اخلاقی مضامین یا زمانے کی شکایت یا اسی قسم کا کوئی اور مضمون۔ اس ابتدائی حصّے کو تشبیب کہا جاتا ہے۔ پھر اچانک اس قسم کی باتوں سے شاعر اپنے ممدوح کی تعریف کا کوئی پہلو نکال لیتا ہے۔ اسے **گریز** کہتے ہیں۔ پھر شاعر **مدح** یعنی تعریف کے نئے نئے مضمون پیدا کرتا ہے۔ کبھی **ممدوح** کا سراپا بیان کرتا ہے۔ کبھی اس کی خوبیاں نظم کرتا ہے۔ ممدوح بادشاہ ہو تو اس کے گھوڑے اور تلوار کی تعریف کرتا ہے آخر میں عرضِ مدعا کرتا ہے یعنی جو کچھ مانگنا ہوتا ہے مانگ لیتا ہے اور دعا پر قصیدہ ختم کرتا ہے۔ انہیں قصیدے کے عناصر ترکیبی یا اہم حصّے کہا جاتا ہے۔

قصیدے میں خوب صورتی نئے نئے مضمون پیدا کرنے سے آتی ہے۔ تشبیب یعنی شروع کے حصّے میں اس کی باقی حصوں سے کہیں زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور پڑھنے والے کے لیے حیرت اور مسرت کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مثلاً غالب ایک قصیدے کو اس طرح شروع کرتے ہیں۔

ہاں مہِ نو سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

یعنی شاعر شروع مہینے کے چاند سے یہ پوچھ رہا ہے کہ تو کس کو سلام کرنے کے لیے جھکا ہوا رہتا ہے اور چاند جواب میں بہادر شاہ ظفر کا نام لیتا ہے جس کے بعد مدح کا حصّہ شروع ہوتا ہے۔

۴-۲-۴ مرثیہ :

جس طرح قصیدہ کسی اہم زندہ یا زندہ جاوید شخصیت کی تعریف میں لکھا جاتا ہے اسی طرح مرثیہ کسی ایسی برگزیدہ شخصیت کے ماتم میں لکھا جاتا ہے جو وفات پا چکی ہو۔ مرثیے میں مرنے والے کے انتقال پر دُکھ درد کا اظہار بھی کیا جاتا ہے اور اس کی اچھائیاں بیان کر کے دوسروں کے لیے ان کی تقلید کرنے اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا اشارہ بھی کیا جاتا ہے۔

مرثیہ بھی عربی لفظ ہے اور رِثا (یعنی آہ و زاری یا ماتم) کے لفظ سے نکلا ہے۔ اردو میں مرثیے دو قسم کے لکھے گئے ہیں :

ایک تو وہ مرثیے جو کسی بھی ایسی شخصیت کی تعریف میں اور ماتم میں لکھے گئے، جن کا انتقال ہوا ہو۔ مثلاً الطاف حسین حالی کا مرزا غالب کی وفات پر لکھا ہوا مرثیہ یا برج نرائن چکبست کا لوک مانیہ بال گنگادھر تلک کی وفات پر لکھا ہوا مرثیہ۔

دوسرے وہ مرثیے ہیں جو واقعۂ کربلا کے متعلق لکھے گئے اور اس جنگ میں شہید ہونے والے مختلف کرداروں کے بارے میں ہیں اور واقعۂ کربلا کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ اس قسم کے مرثیوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور ان کی ادبی خوبیاں اور شاعرانہ خصوصیات بھی بہت نمایاں ہیں۔ اس قسم کے مرثیے لکھنے والوں میں سب سے اہم نام میر انیس اور مرزا دبیر کے ہیں۔

قصیدے کی طرح اس دوسری قسم کے مرثیے کے بھی مختلف حصے یا اجزائے ترکیبی ہیں۔ شروع کے حصے کو چہرہ کہتے ہیں جس میں موسم کا ذکر یا شاعری کے محاسن یا اخلاقی مضامین یا زندگی کے مختلف تجربات بیان کرتے ہیں پھر انہیں گریز کے ذریعے واقعۂ کربلا کے کسی نہ کسی پہلو سے جوڑ دیتے ہیں۔ پھر میدانِ جنگ میں آنے کے لیے خاندان سے رخصت کا سماں پیش کیا جاتا ہے پھر میدانِ جنگ میں آمد، اس کے بعد رجز یعنی لڑائی کے میدان میں آنے والا جنگ جو اپنے خاندان کے اور اپنے کارنامے بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد جنگ کا منظر، تلوار اور گھوڑے کی تعریف اور پھر شہادت کا بیان ہوتا ہے اور رہین یعنی ماتم اور اس کے بعد دعا پر مرثیہ ختم ہوتا ہے۔

مرثیے میں قصیدے کی طرح مضمون آفرینی یعنی بات میں بات پیدا کرنے کے بجائے روانی اور جذبات نگاری پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کیوں کہ یہاں واقعے کا بیان بھی ہوتا ہے اور اس واقعے میں شریک ہونے والے مختلف کرداروں کے جذبات کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ان کرداروں کے مکالمے، ان کا ایک دوسرے سے برتاؤ اور ان کے دل پر گزرنے والی کیفیتوں کے ذکر ہی سے مرثیے میں خوبی اور اثر پیدا ہوتے ہیں۔

مرثیے کا ذکر ختم کرنے سے پہلے کربلا کے واقعے کا بھی مختصر سا ذکر ضروری ہے۔ ہوا یوں کہ اب سے کوئی تیرہ سو سال پہلے ملکِ شام کے تخت و تاج پر ایک آوارہ مزاج اور بدچلن بادشاہ یزید نے قبضہ کر لیا تھا۔ اُس نے سب کو اپنی بادشاہت اور قیادت تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ اُس زمانے میں مذہبی پیشوا ہی کو بادشاہ تسلیم کیا

جاسکتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ، پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لاڈلے نواسے تھے۔ اُنھوں نے یزید کی اطاعت تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ وہ یزید کی حکومت سے باہر چلے جائیں۔ وہ اپنے بہتّر ساتھیوں اور خاندان والوں سمیت ساتھ سفر کر کے کربلا کے میدان تک ہی پہنچے تھے کہ یزیدی فوجوں نے اُنھیں گھیر لیا۔ ان پر تین دن تک پانی بند رکھا اور اُنھیں نہر سے پانی نہیں لینے دیا اور تیسرے دن اُنھیں شہید کر دیا اور حضرت امام حسینؑ کی بیوی شہر بانو، امام کی بہن زینب اور حضرت امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ اور ان کے بیمار بیٹے زین العابدین کو قید کر کے شام لے گئے۔

اس واقعے کے اہم کردار حضرت امام حسینؑ، ان کے دو بیٹے علی اکبرؑ اور علی اصغرؑ (عمر چھ ماہ) ان کے چچازاد بھائی عبّاس اور بھتیجے قاسم ہیں (جن کی شادی شہادت سے دو ایک دن قبل ہی ہوئی تھی) یزید کی فوج کا ایک کمانڈر حُر حضرت امام حسینؑ سے آملا تھا وہ بھی شہید ہوا۔

یزید کی طرف سے لڑنے والوں میں ابنِ زیاد اور شمر کا نام آتا ہے جنھوں نے طرح طرح کے ظلم کیے اور شمر نے حضرت امام حسینؑ کا سر تن سے جُدا کیا۔ مرثیہ اسی واقعے کے مختلف حصّوں کو بیان کرتا ہے۔

اس قسم کے مرثیے یوں تو مختلف شکلوں میں لکھے گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ مقبول شکل مسدّس کی رہی ہے۔ مسدّس چھ مصرعوں کے بند کا ہوتا ہے اور ہر بند کا مضمون ایک ہی ہوتا ہے اور مرثیے میں اس قسم کے بند کتنے ہوں، اُن کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ مسدّس کے بند کا نمونہ یہ ہے جو میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے:

نکلا وہ شیر خیمے سے باندھے علم لیے
مجرے کو آئی فتح سیاہ حشم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دودم لیے
نصرت نے چُومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہُما بن کے پھر گیا

آپ نے دیکھا کہ اس بند میں چھ مصرعے ہیں اور چار مصرعے ایک ہی ردیف قافیے میں ہیں اور آخر کے دو مصرعے الگ ردیف قافیے کے ہیں۔ یہ سب مصرعے مل کر بند کہلاتے ہیں۔

۴-۲-۵ مثنوی

آپ نے دیکھا غزل کے ہر شعر کا مضمون الگ الگ ہوتا ہے۔ لیکن نظم، قصیدہ اور مرثیے میں ایک ہی مضمون، خیال یا کیفیت کو پیش کیا جاتا ہے ان میں مرثیے کی قسم ایسی ہے جو صرف ایک ہی واقعے کے مختلف حصوں کو بیان کرتی ہے۔ اس میں ہر قسم کے واقعات کو بیان کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ مثنوی میں یہ آزادی ہے کہ آپ کسی قسم کے واقعے کو بیان کر سکتے ہیں۔

مثنوی عام طور پر کسی نہ کسی واقعے کا ہی بیان ہوتی ہے اور یہ واقعہ یا تو عشقیہ ہوتا ہے یا صوفیانہ نہ کہ خیالی یا اخلاقی نصیحت کا قصہ۔ کبھی کبھی مثنوی کسی ایک چیز یا کیفیت پر بھی لکھی جاتی ہے۔ جیسے گرمی یا سردی کے موسم پر یا پھر حقے، تمباکو یا قہوے پر۔

مثنوی کے مصرعے چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹی بحروں ہی میں لکھی جاتی ہے۔ اور اس کا ہر مصرع اور دوسرے مصرعے میں ایک ہی ردیف اور ہم آواز قافیے موجود ہوتے ہیں۔ پوری مثنوی گو ایک بحر میں ہوتی ہے۔ مگر پوری مثنوی میں ایک ردیف یا ایک ہی قسم کے قافیے نہیں ہوتے۔

مثنوی کی خوبی بھی واقعے کے بیان جذبات نگاری اور روانی سے جانچی اور پرکھی جاتی ہے۔ اردو میں یوں تو مثنویاں بہت سی لکھی گئی ہیں، مگر سب سے زیادہ مشہور مثنویاں تین ہیں اور تینوں میں عشقیہ قصے ہی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تین مثنویاں ہیں: میر حسن کی مثنوی 'سحر البیان'، دیا شنکر نسیم کی مثنوی 'گلزار نسیم' اور نواب مرزا شوق کی مثنوی 'زہر عشق'۔

مثنوی کا نمونہ یہ ہے:

شتابی مجھے ساقیا دے شراب — کہ یہ حال سن کر ہوا دل کباب
یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں — ذرا اب سنو غم زدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم — کہ گزرا جدائی سے کیا ان پہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں — تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو — نہ وہ گل ہے اس جا نہ وہ اس کی بو
رہے دیکھ یہ حال حیران کار — کہ "یہ کیا ہوا ہائے پروردگار"

(مثنوی سحر البیان سے)

۴-۲-۶ دیگر اصناف : رُباعی، قطعہ :

آئیے، پھر ایک بار ۴-۲ کو پڑھیں۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ شاعری کی دو قسمیں دو طریقوں سے کی گئی ہیں۔ ایک ان باتوں کے لحاظ سے جو ان میں بیان کی جائیں اور دوسری ساخت کے لحاظ سے

آپ نے دیکھا کہ :

ا۔ غزل کی باتیں یا نفسِ مضمون، قصیدے، مرثیے اور مثنوی سے الگ ہوتا ہے اور اس کی ساخت بھی الگ ہے۔ اس کا لہجہ اور لفظیات بھی الگ ہیں۔

ب۔ قصیدہ نفسِ مضمون کے اعتبار سے بھی الگ اور ساخت کے اعتبار سے بھی سب سے جُدا گانہ ہے۔

ج۔ مثنوی کا بھی یہی حال ہے۔ نفسِ مضمون بھی الگ ہے اور ساخت بھی الگ۔

د۔ مرثیے کا بھی یہی حال ہے گو مرثیے کی ساخت ہمیشہ ایک سی نہیں رہی ہے۔ مرثیے چھ مصرعوں کے بند میں بھی لکھے گئے ہیں۔ اور دوسری شکلوں میں بھی۔

آئیے، اب ایسی اصناف پر غور کریں جو صرف اپنی ساخت مختلف ہونے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ ان میں خاص طور پر اہم ہے ـــــ رُباعی۔

رباعی عربی لفظ ہے۔ 'ربع' کے معنی ہیں چار۔ رباعی اس شاعری کو کہنے لگے جو چار مصرعوں میں ایک بات کو پوری طرح ادا کرے۔ ان چار مصرعوں کے لیے دو باتیں اور بھی لازمی ٹھہریں۔

ایک یہ کہ ان چار مصرعوں میں پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے کی ایک ہی ردیف ہو اور ہم قافیہ ہوں۔ اور

دوسرے یہ کہ یہ چاروں مصرعے ان بحروں میں ہوں جو رباعی کے لیے مخصوص ہیں۔ اس بحر کی عام پہچان لاحول ولاقوۃ الا باللہ سے کی جاتی رہی ہے۔

اگر کوئی ایسے چار مصرعے ہوں جن میں بات پوری کہی گئی ہو اور پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم ردیف اور ہم قافیہ بھی ہو لیکن بحر رباعی کی نہ ہو تو اس کو رباعی نہیں کہیں گے، قطعہ کہیں گے۔

قطعے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی ایک بحر میں ہو یا خاص بحروں میں سے کسی ایک میں ہو۔

یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کے چار ہی مصرعے ہوں۔ اور پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم ردیف اور ہم قافیہ ہوں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کم سے کم چار مصرعے ہوں اور ایک ہی مضمون بیان کیا جائے۔

قطعہ الگ بھی ہو سکتا ہے۔ قطعہ غزل کے بیچ میں بھی آ سکتا ہے اور ایسے اشعار کو بیچ میں 'ق' کا نقطہ لکھ کر ظاہر کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا ناگہہ وہ استخوان شکستوں (ٹوٹ پھوٹ) سے چور تھا
ق
کہنے لگا کہ "دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا" (ہڈی)

یہ قطعہ ہے رباعی نہیں ہے۔

رباعی لکھنے والوں میں سب سے اہم نام تو عمر خیام کا ہے۔ مگر اس کی رباعیاں فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ اردو شاعروں میں سب سے اہم نام یہ ہیں:

میر انیس
الطاف حسین حالی
جوش ملیح آبادی
فراق گورکھپوری اور
امجد حیدر آبادی

رباعی کی دو مثالیں یہ ہیں:

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی
(انیس)

دل رسم کے سانچے میں نہ ڈھالا ہم نے اسلوب سخن نیا نکالا ہم نے
کے لیے خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے
(جوش ملیح آبادی)

مشق II

۱۔ جس صنف شعر میں کسی زندہ یا زندہ جاوید شخصیت کی تعریف کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ الف: مرثیہ

ب : قصیدہ

ج : مثنوی

۲۔ جس صنف میں کسی کی موت پر رنج اور افسوس کا اظہار کیا جائے اور مرنے والے کی خوبیاں بیان کی جائیں اس صنف کو کیا کہتے ہیں؟

الف : رباعی

ب : قصیدہ

ج : مرثیہ

۳۔ شعر کے آخر میں جوں کا توں آنے والے لفظ یا حرف کو کیا کہتے ہیں؟

الف : ردیف

ب : قافیہ

ج : بحر

۴۔ داخلی لہجے اور علامتی انداز میں کسی واقعے یا تجربے یا کیفیت کے نتیجے کو بیان کرنے والی صنف کا نام بتائیے :

الف : نظم ج : مثنوی

ب : مرثیہ د : غزل

۵۔ کسی واقعے یا کسی ایک منظر کو تسلسل کے ساتھ مختلف ردیف اور قافیوں کے اشعار میں بیان کرنے والی صنف کا نام بتائیے؟ الف : غزل

ب : قطعہ

ج : مثنوی

د : نظم

۶۔ قصیدے کے پانچ اجزائے ترکیبی بیان کیجیے :

(جوابات آخر میں دیے گئے ہیں)

اپنا امتحان خود لیجیے II

۱۔ غزل کے پہلے شعر کو جس میں ردیف اور قافیہ دونوں موجود ہوں کیا کہتے ہیں؟

الف : مقطع

ب : مطلع

ج : قطعہ

۲۔ نظم کے لیے کون سی دو چیزیں ہیں جو سب سے زیادہ ضروری ہیں؟

الف : ردیف اور قافیہ

ب : تشبیہ اور استعارہ

ج : تسلسل اور ارتقا

۳۔ قصیدے کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے:

۴۔ مرثیے کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے:

۵۔ اردو کی تین اہم ترین مثنویوں کے نام بتائیے؟

الف : آہنگ، شعلہ و شبنم، نقشِ فریادی

ب : سحرالبیان، گلزارِ نسیم، زہرِ عشق

ج : غبارِ خاطر، بالِ جبریل، آتشِ گل

۶۔ قطعے اور رُباعی میں کیا فرق ہے؟

الف : رباعی خاص اوزان میں ہوتی ہے اور چار مصرعے ہونا ضروری ہیں۔

ب : قطعہ خاص اوزان میں نہیں ہوتا اور چار مصرعوں سے زیادہ کا بھی ہو سکتا ہے۔

(جوابات آخر میں دیے گئے ہیں)

۴-۳ نثر کی اصناف

اب تک کی بات چیت شاعری کی مختلف اصناف کے بارے میں تھی۔ آپ نے دیکھا کہ ان کو یا تو نفسِ مضمون کے لحاظ سے مختلف قسموں میں بانٹا گیا یا پھر ساخت کے لحاظ سے ان کی پہچان کی گئی ہے اسی طرح نثر میں لکھی جانے والی اصناف کا حال ہے۔

نثر یوں تو ہم دن رات بولنے چالنے میں استعمال کرتے ہیں، لیکن جب ہم اسے لکھنے لگتے ہیں تو اس کی قسمیں بھی اسی طرح ہو جاتی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہم نثر کا استعمال کرتے ہیں تو عام طور پر تین طریقوں میں سے ایک طریقہ ضرور برتتے ہیں۔

الف۔ یا تو کسی کہانی یا قصّے کو بیان کرتے ہیں۔

(جیسے ناول، قصّہ، داستان اور افسانے میں)

یا ب۔ اپنے دل کی بات کو جوں کا توں بیان کر دیتے ہیں اور کسی مثال یا قصّے کا

سہارا نہیں لیتے (جیسے انشائیہ مضامین میں)

یا ج ۔ پھر نثر کو کسی دوسرے مضمون یا کاروبار کی باتیں بیان کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں (جیسے دفتری معاملات میں یا سائنس، جغرافیہ اور اقتصادیات کے مسئلے بیان کرنے میں)

ہم یہاں پہلی اور دوسری قسم کی نثری اصناف کا ذکر کریں گے۔ تیسرے کا ذکر آپ کے چوتھے بلاک کی اکائیوں میں آئے گا۔

۴-۳-۱ ناول، داستان اور قصّہ

آپ نے غزل اور نظم کے بارے میں پڑھا۔ غزل میں شاعر واقعے کو بیان نہیں کرتا۔ واقعے سے حاصل ہونے والے تجربے کی کیفیت کو ذاتی تاثر کے طور پر بیان کرتا ہے۔

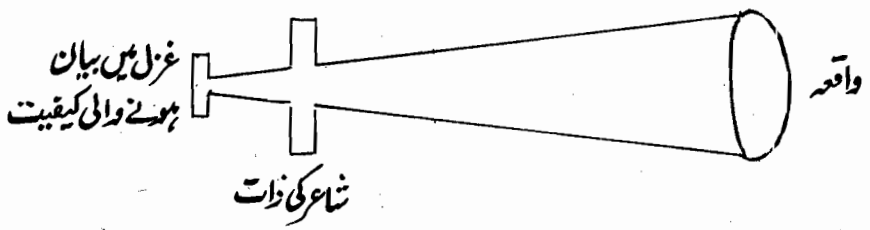

شکل (الف)

گویا واقعہ پہلے شاعر کی ذات کی بھٹی میں تپ کر کیفیت کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کیفیت کا خلاصہ ذاتی یا داخلی تاثرین کر غزل میں ادا ہوتا ہے۔

اگر آپ غور کریں تو افسانوی ادب میں ہمارے لکھنے والے اس عمل کو دہری سطح پر برتتے ہیں۔ پہلے تو یہی صورت ہوتی ہے کہ افسانہ نگار، ناول نگار یا قصہ گو اور داستان گو زندگی کے مختلف واقعات کی مدد سے ذاتی تاثر، نتیجے یا کیفیت تک پہنچتا ہے۔

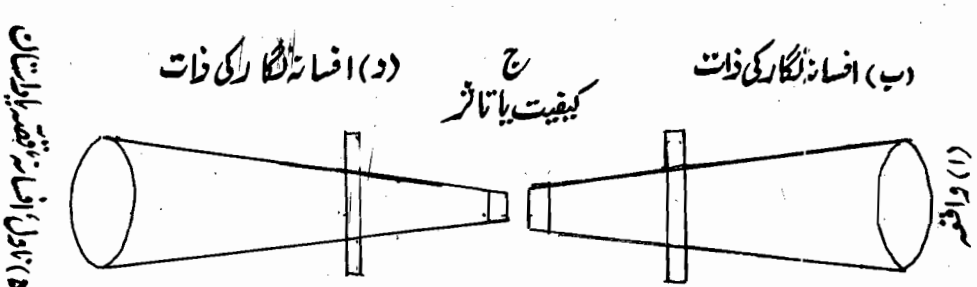

شکل (ب)

گویا ناول نگار یا افسانہ نگار پہلے زندگی کے واقعات سے ذاتی تاثر یا کیفیت حاصل کرتا

ہے اور خود کسی نتیجے پر پہنچتا ہے پھر اس نتیجے یا تاثر کو ایک بار پھر اپنی ذات سے گزار کر اسے کسی ایسے مربوط واقعے کی شکل دیتا ہے جس کی مدد سے اس کے پڑھنے والے پر وہی تاثر اور کیفیت طاری ہو سکے جو خود لکھنے والے پر طاری ہوئی تھی یا جسے وہ اپنے پڑھنے والوں پر طاری کرنا چاہتا ہے اسی لیے افسانوی ادب کو بازیافت اور ترتیبِ نَو کا عمل کہا گیا ہے ۔

قصّہ گو کا مقصد محض کہانی کہنا نہیں ہوتا بلکہ اس کہانی کے ذریعے کسی نہ کسی مرکزی خیال، تاثر یا کیفیت کو پیش کرنا اس کا مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ واقعات گڑھتا ہے یا پیش آنے والے واقعات میں ترمیم و ترتیب کرتا ہے تاکہ وہ ایک سانچے میں ڈھل جائیں اور ان میں کسی قسم کی بے ترتیبی نہ رہے —— اس قسم کے ادب کو ہم افسانوی ادب کہتے ہیں ۔

افسانوی ادب کو آسانی کے لیے پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور یہی اس کی اصناف ہیں :

الف ۔ قصّہ

ب ۔ داستان

ج ۔ مختصر ناول یا ناولٹ

د ۔ مختصر افسانہ

ہ ۔ ڈراما

اس میں پہلی چار کا ذکر اس اکائی میں کیا جائے گا۔ ڈرامے کا ذکر بلاک ۳ کی اکائی ۲ میں آئے گا۔

ان سبھی اصناف میں مرکزی خیال تاثر یا کیفیت کو ادا کرنے کے لیے کسی نہ کسی واقعے یا واقعات کے سلسلے کا سہارا لیا جاتا ہے لہٰذا واقعہ ان سب کا لازمی عنصر ہے اور واقعے چونکہ جاندار وں کو پیش آتے ہیں جو اپنے طرزِ عمل، باہمی ٹکراؤ یا باہمی تعاون کے ذریعے واقعات پر اثر ڈالتے ہیں ۔ اس لیے تیسرا اہم عنصر کردار نگاری کا ہونا لازمی ہے اور یہ کردار چونکہ صرف کام ہی نہیں کرتے ۔ بولتے چالتے بھی ہیں لہٰذا ان کے لیے مکالمے ضروری ہیں اور چوتھا عنصر مکالمہ نگاری کا لازمی ہو جاتا ہے ۔ آخر میں چونکہ ان واقعات اور کرداروں کے ذریعے مصنف کا تصورِ حیات اور طرزِ بیان ظاہر ہوتا ہے ۔ اس لیے ان دونوں عناصر کو بھی افسانوی ادب کی سبھی اصناف کے اجزائے ترکیبی میں شامل کیا جاتا ہے ۔

آپ کہیں گے کہ اگر ہر قسم کے افسانوی ادب کے لیے یہی سارے عناصر ضروری ہیں تو پھر بھلا افسانوی ادب کی مختلف قسموں یا اصناف میں فرق ہی کیا ہوا؟ جی نہیں۔ فرق ہے اور ضروری ہے۔

پہلے داستان، قصہ اور ناول کے فرق کو دیکھیے۔ قصہ تو اپنا سیدھا سادا چھوٹا سا ایک ہی وقفہ میں پڑھے جانے والا واقعہ ہوتا ہے جس میں عام طور پر پیچیدگی نہیں ہوتی یعنی اس کے اندر سے کوئی دوسرا قصہ برآمد نہیں ہوتا۔ یہ قصہ کوئی واقعہ بھی ہو سکتا ہے اور تمثیل بھی۔ عام زندگی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے اور جن پریوں، دیو اور جن، بھوتوں سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔

لیکن داستان کئی قصوں سے مل کر بنتی ہے، طویل ہوتی ہے۔ عام طور پر جن، پریوں، جادوگر، عیار اور نیک و بد طاقتوں کے ٹکراؤ کو بیان کرتی ہے اور ایک قصے سے دوسرا قصہ پیدا ہوتا ہے۔ کردار بھی یا تو پوری طرح نیک، خوب صورت، بہادر اور ایمان دار ہوتے ہیں۔ یا پھر بالکل ہی بُرے، خوف ناک اور دھوکے باز ہوتے ہیں۔ پھر داستان میں فوق فطری عناصر اور کردار ہوتے ہیں۔ اندازِ بیان سادہ نہیں ہوتا بلکہ سجا بنا ہوا ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں **ناول** طویل تو ضرور ہوتا ہے اور مختلف قصوں سے مل کر بھی بنتا ہے، مگر فوق فطری عناصر اور کرداروں سے خالی ہوتا ہے۔ اس میں جن، پری، دیو یا عیاروں کی کارگزاریاں نہیں ہوتیں بلکہ عام انسانی زندگی کے واقعات کسی خاص فکری زاویے سے بیان کیے جاتے ہیں تاکہ ناول نگار کا تصورِ حیات اور ناول کا مرکزی خیال سامنے آجائے۔ کردار بھی عام زندگی سے تعلق رکھنے والے انسانوں ہی کی طرح خوبیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ یعنی اچھے بھی اور بُرے بھی اور ناول میں بیان ہونے والے واقعات انہیں تبدیل بھی کرتے ہیں کبھی ان کی کمزوریوں کو اُبھار دیتے ہیں۔ کبھی بد کو نیک بنا دیتے ہیں۔

اس طرح داستان اور ناول کا بنیادی فرق کہانی کی ساخت اور واقعات اور کرداروں کی نوعیت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی

الف۔ داستان میں قصے کے اندر سے قصہ پیدا ہوتا ہے، مگر ناول میں مختلف قصے آکر کسی ایک بنیادی کڑی میں آکر مل جاتے ہیں اور

ب۔ واقعات، داستان میں فوق فطری ہوتے ہیں اور ناول میں عام زندگی

سے متعلق۔

جہاں تک کردار نگاری کا تعلق ہے:

الف۔ داستان کے کردار اکثر فوق فطری ہوتے ہیں:
یا تو ساری خوبیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں یا سبھی خرابیوں کا مجموعہ۔
عام طور پر نیک آخر تک نیک رہتا ہے اور بد آخر تک بد رہتا ہے اور
کرداروں کے مزاج اور نوعیت میں عام طور پر تبدیلی نہیں ہوتی۔

ب۔ ناول کے کردار فوق فطری نہیں ہوتے۔ ان میں نیک اور بد دونوں عناصر
ملتے ہیں اور ان کے مزاج اور نوعیت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اندازِ بیان
کے اعتبار سے داستان کا اسلوب سجا ہوا ہوتا ہے اور ناول کا
اسلوب رواں اور عام بول چال کی زبان سے قریب ہوتا ہے۔

اُردو کی داستانوں میں سب سے زیادہ مشہور داستان ہے، داستانِ امیر حمزہ یا طلسم ہوش رُبا اور ناولوں میں سب سے اہم ناول ہیں ــــ رتن ناتھ سرشار کا فسانۂ آزاد، مرزا محمد ہادی رُسوا کا اُمراؤ جان ادا اور پریم چند کا ناول گئودان۔

۴-۳-۲ مختصر افسانہ اور ڈراما

اُردو میں ناول کا چلن دیر سے ہوا۔ قصہ پہلے سے موجود تھا اور داستانوں کا رواج بھی اچھا خاصا پرانا ہے۔ لیکن انگریزوں کے ہندوستان آنے کے بعد انگریزی زبان و ادب سے واقفیت کے ذریعے ہم ناول تک پہنچے۔

اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں پریم چند اور سجاد یلدرم نے اردو میں مختصر افسانے لکھنے شروع کیے۔ ناول کا قصہ تو لمبا ہوتا ہے اور اس قصے کے ساتھ کئی اور قصے بھی جُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ مختصر افسانے میں صرف ایک ہی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ ناول میں تو پوری تہذیب کا پس منظر موجود رہتا ہے۔ مختصر افسانے میں اس پس منظر کو بہت کم کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ناول تہذیب کی آپ بیتی ہے اور مختصر افسانہ فرد کی۔ ان دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو بڑے اور چھوٹے پیمانے کا فرق ہے مگر اس فرق کی وجہ سے مختصر افسانے میں تاثر سمٹ کر اور گہرا اور بھرپور ہو جاتا ہے جب کہ ناول میں یہ تاثر زیادہ پھیلا ہوا ہوتا ہے اور زیادہ بلند اور تہہ دار ہو جاتا ہے۔

ڈرامے کا تعلق بھی افسانوی ادب سے ہے کیوں کہ ڈرامے میں بھی کوئی نہ کوئی قصّہ ہی بیان کیا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ناول اور افسانے کے مقابلے میں ڈراما بیانیہ حصّوں سے نہیں، صرف مکالمے کے ذریعے بات کہتا ہے۔ ڈراما نگار ڈرامے میں بولتا ہے تو صرف اپنے کرداروں کی زبان سے۔ وہ براہِ راست کسی واقعے یا کردار کو بیان نہیں کرتا۔

مختصر افسانے اور ڈرامے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ آپ کے تیسرے بلاک میں ذکر کیا جائے گا۔ اس لیے یہاں ان پر مزید گفتگو ضروری نہیں ہے۔

۴-۳-۳ انشائیہ

ایک بار پھر پیچھے کی طرف لوٹیے۔ ذرا ۳-۴ نکالیے جس میں نثر کے مختلف استعمال بتائے گئے ہیں۔ وہاں (ب) میں نثر کے بے تکلف استعمال کا ذکر کیا گیا ہے کہ اپنے دل کی بات جوں کی توں بیان کر دی جائے اور اسے کسی واقعے یا کردار کی شکل نہ دی جائے۔ انشائیہ کا دائرۂ عمل یہی ہے

آپ کے ہاتھ میں چائے کی پیالی ہے، دھوپ کھلی ہوئی ہے۔ آپ سبزہ زار پر بیٹھے ہیں یا اپنی کھڑکی سے باہر کھلے نیلے آسمان پر اُڑتی ہوئی ابابیل سے لُطف لے رہے ہیں۔ کمرے میں ریڈیو بج رہا ہے یا گلی میں لڑکے شور کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے دل پر ان میں سے کسی ایک واقعے نے کوئی اثر چھوڑا ہے تو آپ اسے انشائیہ کا موضوع بنا سکتے ہیں۔ صبح کی چہل قدمی، دوپہر کی لذّت، رات کی نیند، دوستوں کا لُطفِ صحبت، گپ شپ کا مزا، گھریلو نوک جھونک۔ غرض زندگی کے کھٹے میٹھے ہر قسم کے لمحے انشائیے کے لیے ہر قسم کا مواد فراہم کر سکتے ہیں۔ پہچان انشائیے کی ذاتی اور نجی کیفیت ہے جو بناوٹ اور صناعی کی روادار نہیں ہوتی پھر اس کا ہلکا پھلکا انداز ہے جو اسے من کی موج بنا دیتا ہے۔

اگر دوٹوک لفظوں میں کہنا ہو تو یوں کہیں گے کہ انشائیہ افسانوی ادب کی اصناف سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں عام طور پر قصّہ ہوتا ہے نہ کردار۔ اس کا لہجہ بیانیہ کی بجائے ذاتی اور نجی ہوتا ہے اور اس میں گہری سنجیدگی اور متانت کے بجائے ہلکا پھلکا پن اور ایک لطیف مزاح کا پہلو پایا جاتا ہے۔

انشائیہ پر بھی آپ سے تفصیلی گفتگو تیسرے بلاک ہی میں کی جائے گی۔

یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ جس طرح شاعری میں غزل نجی لب و لہجے کی صنف ہے اسی طرح نثر میں انشائیہ بھی نجی لب و لہجے کی صنف ہے، گویا نثر کی غزل ہے۔ گو غزل کی طرح مختصر اور علامتی نہیں ہے مگر کیفیاتی ضرور ہے۔

۴-۳-۴ دیگر اصناف

نثر کی دیگر اصناف میں طنز و مزاح اور رپورتاژ کا ذکر بھی کرتے چلیں۔ طنز و مزاح کا ذکر یوں تو انشائیہ میں آگیا ہے اور یہ صحیح بھی ہے کہ انشائیہ میں طنز و مزاح کی چاشنی ہوتی ہے مگر طنز و مزاح والے مضامین کا انشائیہ ہونا ضروری نہیں ہوتا، لیکن ٹھہریئے، پہلے ذرا طنز و مزاح کے فرق پر گفتگو کر لی جائے۔

آپ جانتے ہیں ہنسنا اور رونا کسے نہیں آتا۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ انسان ہنسنے والا جانور ہے۔ سارے جانداروں میں ہنسنے پر صرف انسان ہی کو قدرت حاصل ہے۔ ہم ہنستے عام طور پر اس وقت ہیں جب معمول کے خلاف کوئی ایسا واقعہ دیکھتے ہیں، جس کے اثرات خود ہم پر یا ہمارے متعلقین پر نہ پڑ رہے ہوں۔ مثلاً کوئی موٹا آدمی کیلے کے چھلکے پر سے پھسل کر گر پڑے تو ہم ضرور ہنسیں گے۔ بشرطیکہ گرنے والا ہمارا اپنا کوئی عزیز نہ ہو۔ ہم اس لیے ہنسیں گے کہ گرنا غیر معمولی یا خلافِ معمول حرکت ہے۔

طنز بھی ہم عام طور پر اسی وقت کام میں لاتے ہیں جب ہم کسی دوسرے کا مذاق اڑا کر اس کے غیر معمولی اور خلافِ معمول ہونے کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔ لیکن طنز میں کسی پر چوٹ کرنا یا کسی کا مذاق اڑانا ضروری ہے۔ اسی لیے طنز میں مزاح کا پہلو ہونا لازمی ہے تاکہ جس پر ہنسا جا رہا ہے، وہ بھی لطف اندوز ہو سکے اور دوسروں کو بھی مزا تو آئے مگر جس پر طنز کی جا رہی ہے، اس سے ہمدردی نہ ہو جائے۔

طنز کے لیے مزاح کا ہونا لازمی ہے، مگر مزاح کے لیے طنز لازمی نہیں۔ کیوں کہ ہم کسی دوسری چیز یا کسی دوسرے شخص پر چوٹ کیے بغیر بھی ہنس سکتے ہیں۔

طنز و مزاح کے مضامین انشائیہ بھی ہو سکتے ہیں مگر لازمی طور پر ان کا انشائیہ ہونا ضروری نہیں ہے کیوں کہ اس قسم کے مضامین، نجی لب و لہجے کے بغیر بھی لکھے جا سکتے ہیں یا لکھے گئے ہیں۔ جیسے پطرس بخاری کا مضمون "لاہور کا جغرافیہ"۔

اردو کے طنز و مزاح نگاروں میں پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، کنہیا لال کپور

اور مشتاق احمد یوسفی کے نام سرِ فہرست ہیں۔

رپورتاژ نثر کی ایک اور صنف ہے جو حال ہی میں وجود میں آئی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی نہ کسی واقعے کا بیان ذاتی لب و لہجے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ گویا یہ محض کسی واقعے کا خارجی بیان نہیں رہتا بلکہ اس میں ذاتی لب و لہجہ یا نجی رنگ پیدا کر کے یہ انشائیے کا انداز اختیار کر لیتا ہے۔ رپورتاژ کسی بھی واقعے پر لکھے جا سکتے ہیں۔ ریل کا سفر، کسی جلسے کی روداد یا آپ بیتی کا کوئی ایسا ٹکڑا جو نجی بھی ہو اور عام دل چسپی کا بھی ہو۔ اردو میں رپورتاژ کی اچھی مثالیں کرشن چندر کے ہاں ملتی ہیں۔

آخر میں سوانح حیات کا بھی تذکرہ ضروری ہے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد افسانوی ادب سے بھی مختلف ہوتا ہے اور انشائیہ سے بھی الگ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد محض فرضی یا اختراعی واقعات یا محض تخیل پر نہیں ہوتی بلکہ خود اپنی زندگی یا کسی دوسرے کی زندگی کے اہم واقعات اس کی بنیاد بنتے ہیں۔

مکتوب نگاری یا خطوط نگاری بھی اس سلسلے کی ایک اور صنف ہے جس کو گو شعوری طور پر اختیار کرنا لازم نہیں، مگر بعض شخصیتیں اس قدر گوناگوں اور دل کش ہوتی ہیں کہ ان کے خطوط میں ان کی اپنی زندگی کا عکس اور لہجے کا کھلا ڈلا پن خاص دل کشی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی ذات کا جادو ہی ان خطوط کو پُر اثر بناتا ہے، جس کی مثالیں غالب، چودھری محمد علی، ابوالکلام آزاد اور رشید احمد صدیقی کے خطوط میں ملتی ہیں۔

مشق III

اپنا امتحان خود لیجیے۔۔۔۔ III

۴۔۴ خلاصۂ بحث

اب آپ اس مرحلے تک پہنچ گئے ہیں جب نظم اور نثر کی مختلف اصناف کی پہچان کر سکیں۔ آپ نے یہ بھی اندازہ کیا ہوگا کہ ان سبھی اصناف میں بہت سی چیزیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور اس کے باوجود ایک دوسرے سے الگ کر کے پہچانی بھی جا سکتی ہیں۔ بنیادی فرق ایک یہ ہے کہ ان میں انسانی زندگی کے بعض تجربات کو یا ان سے حاصل کردہ نتیجوں اور کیفیتوں کو جوں کا توں اپنے نجی لب و لہجے کے ساتھ بیان کر دیتی ہیں۔ جیسے شاعری میں غزل اور انشائیے اور بعض اس نتیجے اور کیفیت کو واقعہ اور کردار کی شکل میں ڈھال کر نئی ترتیب کے ساتھ پیش کرتی ہیں اور اسے نیا وجود عطا کرتی ہیں۔ آپ اب انہیں کسی قدر بھروسے کے ساتھ برت سکتے ہیں۔

مشق III

۱۔ داستان اور ناول کا فرق واضح کیجیے

	داستان میں	ناول میں
الف۔ قصّے کی ساخت		
ب۔ کرداروں کی خصوصیات		
ج۔ اندازِ بیان کے اعتبار سے		

۲۔ ناول اور مختصر افسانے کا فرق واضح کیجیے :

۳۔ کون سی صنف کس کے لیے مخصوص ہے ؟

(الف) ناول ——— (الف) واقعات کا تاثراتی اور رنجی بیان

(ب) انشائیہ ——— (ب) کسی بات یا کیفیت کا ذاتی بیان

(ج) رپورتاژ ——— (ج) کسی ایک واقعے کی مربوط تاثراتی تشکیل

(د) مختصر افسانہ ——— (د) تہذیبی فضا کی عکّاسی

اپنا امتحان خود لیجیے III

۱۔ اصنافِ ادب کی تقسیم کس لحاظ سے کی گئی ہے :

(الف) (ب)

۲۔ انگریزی ادب کے اثر سے اردو ادب میں عام ہونے والی اصناف کون سی ہیں ؟

(الف) غزل (ب) ناول (ج) مثنوی (د) رباعی

(و) مختصر افسانہ (ہ) نظم

۳۔ ایسی اصناف کون سی ہیں جو زندگی کے واقعات سے تجربہ حاصل کر کے ان کا نچوڑ ذاتی تاثّر کی شکل میں بیان کرتی ہیں :

(الف) نظم (ب) مثنوی (ج) غزل (د) داستان

(ہ) ناول (و) مختصر افسانہ (ز) انشائیہ

۴۔ ایسی اصناف کون سی ہیں جو زندگی سے حاصل شدہ تجربات یا کیفیات کو واقعات کی شکل میں پیش کرتی ہیں؟

(الف) نظم (ب) مثنوی (ج) غزل (د) داستان

(ہ) ناول (و) مختصر افسانہ

۵۔ غزل اور انشائیہ کی مشترک خصوصیات بیان کیجیے :

مزید مطالعے کے لیے :

رسالہ "ادب" علی گڑھ کا اصنافِ سخن نمبر

جوابات

مشق I

۱ - عورتوں سے یا اُن کے بارے میں باتیں کرنا۔
زخمی ہرن کی آواز۔ کپڑا بُننا۔

۲۔ عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور سیاسی

۳۔ کسی واقعے کے ذاتی اثر کا بیان

۴۔ بحر، ردیف، قافیہ، ہر شعر کا مکمل ہونا

۵۔ گل، بلبل، شمع، پروانہ، شراب، ساقی، محفل، زنجیر، زنداں، صحرا۔

۶۔ ہر شعر کے آخر میں جوں کا توں آنے والا حرف یا لفظ ردیف ہے۔
اور اس سے پہلے ہم آواز آنے والا لفظ قافیہ ہے۔

اپنا امتحان خود لیجیے : I

(۱) نکلے ردیف۔ دم۔کم قافیے

(۲) پہلا مطلع ہے دوسرا مقطع

(۳) واقعات، تجربات، کیفیات

مشق II

علامتوں، داخلی

۱۔ (ب) ۲۔ (ج) ۳۔ (الف) ۴۔ (د) ۵۔(ج)

۶۔ تشبیہ، گریز، مدح وغیرہ۔

اپنا امتحان خود لیجیے II

۱- (ب) ۲- (ج) ۳- دیکھیے پچھلی مشق کے سوال ۶ کا جواب

۴- چہرہ، گریز، آمد، رجز، رزمیہ، شہادت، بین، دُعا۔

۵- (ب) ۶- رباعی (الف) قطعہ (ب)

مشق III

۳- الف د = ب - الف = ج ج = د - ب =

اپنا امتحان خود لیجیے III

۱- نفسِ مضمون اور (ب) ساخت کے اعتبار سے

۲- ب - ہ - و ۳- ج اور الف ۴- ب - د - و - ہ

۵- دونوں ذاتی اور تاثراتی

مزید مطالعے کے لیے:

رسالہ ادیب، علی گڑھ (اصنافِ سخن نمبر)

اردو میں اصنافِ سخن ڈاکٹر شمیم احمد